

اسلام اور وطنیت

(۲)

(۱) جناب مولوی صدیق الدین صاحب (

اد پر عرض کیا جا چکا ہے کہ حبّ وطن بھی دوسرے دنیوی تعلقات اور بشری جذبات کی طرح ایک مادی تعلق کا نام ہے بلکہ درحقیقت اعزہ و اقارب، احباب اور ہم نفسوں کی اور اپنے مسکن اور وطن کی معیشت کی محبت ہی کا مجموعی نام حبّ وطن ہے اور نہ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کو الگ کر کے وطن کسی چیز کا نام نہیں ہے اور وہ مٹی یا پتھر ہونے کی حیثیت سے کسی انسان کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ لہذا اسلام کا جو نقطہ نظر بالعموم متابع حیات دنیا اور مرغوباتِ نفس کے بارے میں ہے اور وہی وطن کے بارے میں بھی ہے اور وطن کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہیں کہ اس کے لیے سب سے الگ کوئی مخصوص زاویہ نظر اختیار کیا جائے جس طرح دنیا کی کسی عورت سے عزیز بننے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کی طلب و محبت میں غفل یا انداز ہو اسی طرح وطن کی محبت اور عصیت بھی اس حق سے یکسر محروم ہے۔ دنیا کے تمام دوسرے مادی رشتوں کی طرح یہ بھی بنی نوع انسان کے لیے ایک فتنہ بلکہ فتنوں کا مجموعہ ہے ۱۔ اسے پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں انسان کی آزمائش ہو۔ اگر وہ خدا کے ساتھ انسان کی محبت میں پایا بالفاظ دیگر اسلام کی راہ راست پر چلنے میں مانع نہ ہو تو اس سے تمتع کرنا انسان کے لیے حق ہے ۲ اور اگر وہ خدا کی محبت میں حائل ہو جائے تو وہ انسان کا عدو ہے جس کے گٹھے پر چھری پھیر دینا ہی مسلمان ہونے کے لیے شرط اول ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ خدا اور وطن درمقابل ہو جائیں یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص اپنے کو مسلمان اور خدا پرست بھی کہے اور ساتھ ہی اس روحانی دشمن سے راہ و رسم بھی رکھے۔ اسلام کو

اس سے فرض نہیں کہ کس کے دل میں وطن کی محبت کتنی ہے۔ اسے اس سے بھی بحث نہیں کہ کون اپنے وطن کی عزت کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ اس کی طرف سے اس امر کی پوری اجازت ہے کہ انسان اپنے وطن کی ترقی میں حصہ لے اور اس کی فلاح و آسائش میں ہر ممکن تدبیر اختیار کرے۔ لیکن جب وطن اپنی ان حدود سے نکل کر انسان کی روح سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی ہر خواہش اور مصیبت کا پابند ہو کر رہے، اور ضرورت پیش آنے پر اپنی پیشانی خدا کے سامنے سے اٹھا کر دھرتی مانا کی سورتی کے آگے ٹیک دے، تو اسلام ایسے وطن کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے والے کو ننگ پیمانہ وطنی کشش سے مغلوب ہو جانے والے کو جہل کا پرستار اور لعنت ہائے اغیار سے متاثر ہو جانے والے کو جاہلیت کا غلام قرار دیتا ہے۔ ایسے ہی مواقع مسلم اور غیر مسلم کے درمیان حقیقی فرق و امتیاز کے مواقع ہوتے ہیں۔ انسان انہی موقعوں پر چھانٹا جاتا ہے۔ وطن کو چھوڑ کر خدا کی طرف جائے تو حزب اللہ کا رکن ہے۔ خدا کو چھوڑ کر شیطان کی طرف جائے تو حزب الشیطان کا رکن ہے۔

اسلام سے وطنیت کا تضادم | اب اس امر کی توضیح باقی رہ جاتی ہے کہ اسلام کے مصالح اور اس کے اصول سے حب وطن کے تضادم کا کیا مفہوم ہے، اور اس کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کے متعلق شاید آپ کو تاریخ اسلام کا ایک ہی صفحہ پوری طرح کفایت کرے گا، اور یہ وہی صفحہ ہے جس میں کلمہ حق کہنے والے مجرم جو ابر کعبہ سے نکل نکل کر شمال کی طرف جاتے اور مدینہ کی گلیوں میں پہنچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ہجرت کے فلسفے اور اس کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ مکہ جیسے محبوب وطن سے جس سے بڑھ کر محبوبیت کا دعوے شاید کسی اور خطہ ارض کے متعلق کسی مسلمان کی زبان سے نہیں سنا جاسکتا۔ نتیجتاً فاقہ امت ایسے بار و مددگار ستم رسیدہ اخذہ حال اور ناتوان انسانوں کو کیوں نکل جانے کا حکم دیا گیا؟ محض اس لیے تاکہ خدا ہی کی عبادت ہو سکے اور وطن کی محبت میں پیمپس کردہ کفار کے ہاتھوں اتنے مجبور نہ ہو جائیں کہ صدارت کے اعلان سے باز رہیں اور

ایک خدا کے بجائے تین سوساٹھ خداؤں کی پرستش کریں۔ قرآن کے الفاظ جو ہجرت کے سلسلہ میں نازل ہوئے، یہ ہیں :-

اسے میرے وہ بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو یا یہی

زمین بہت وسیع ہے، پس دیکھی خاص مقام کی پابندی

تمہیں میری پرستش سے نہ روکے، تم بہر حال میری ہی عبادت

کو روخواہ اس مقصد کے لیے تمہیں اس وسیع زمین کے کسی

خطہ میں جانا پڑے، کیونکہ ہر شخص کو مرنا ہے، پھر ہماری

لِيُعَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أُوْثِيَ

وَأَسْعَتُهُ فَايَأَىٰ فَأَعْبُدُونَ كُلِّ نَفْسٍ

ذَالِقَةَ الْمَوْتِ ثُمَّ لِيُنَاتِرْ جَعُونَ

وَمَا هَذِهِ إِلَّا حَيَوَةُ الدُّنْيَا ۗ

لَهُمْ وَلِعَبَّ الْوَجْهَ (عشکبوت - ۷۶)

ہی طرف بالآخر تم لوٹ کر آؤ گے اور یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور دل لگی سے۔

یہ چند الفاظ اسلامی تاریخ اور فلسفہ کا سب سے عظیم الشان باب اپنے دامن میں چھپائے ہوئے

ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ اُس وطن کی حقیقت خدا پرستی کے مقابلہ میں کتنی حقیر ہے جو آج تہذیبِ نو

کے تخت پر بیٹھا اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ کا تصور بھونک رہا ہے۔ مگر نہ صرف عام مسلمانوں کو بلکہ سپریم عالم

کتاب کو سارے جہان سے زیادہ عزیز تھا۔ لیکن اس کی محبت عباد اللہ کو اللہ کی معبودیت اور اپنی

عبدیت کے لٹھارے سے روکتی تھی، اور معبود حقیقی کا غیر متبادل مطالبہ یہ تھا کہ اَيُّهَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ

ہی عبادت کرو۔ اب ایک طرف وطن کی کشش تھی۔ گھر بار اہل و عیال اور قبیلہ و خاندان کی محبت تھی۔

دوسری طرف احکام الحاکمین کا یہ نہ بدلنے والا فیصلہ تھا۔ وطن کی محبت اور اس کی مصلحت کا تقاضا تھا

کہ نہ مکہ سے باہر قدم رکھیں، کہ یہ گوشت کے ناخن سے جدا ہونے کا ہم معنی تھا، اور نہ قریش کی مستحکم

سیادت و عظمت اور باہمی اتحاد اور عصبت کو کسی طرح گزند پہنچے کہ مادہ پرستی کی دنیا میں اس سے بڑھ

کر کوئی مصلحت نہیں۔ لیکن اگر وہ اس تقاضے کو پورا کرتے تو سب سے پہلے انہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد

رسول اللہ کے اعلان سے زبان کو روکنا پڑتا، اَيُّهَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ کا مطالبہ خداوندی رد کر

دینا پڑتا، جیسا کہ اس دورِ مظلومیت کی اسلامی تاریخ شہادت دے رہی ہے۔ لہذا خدانے اپنے پروردگار کو حکم دیا کہ وطن کی محبت اور اس کی خیر خواہی کے خوفناک فتنے سے، جو عدد "بن کران کی متاع ایمان کو پال کر دینا چاہتا تھا، چوکتے ہو جائیں اور اگر انہیں یہ ایمان کی متاع واقعی عوریزہ ہے اور وہ اس کی حقیقی قدر و قیمت سے واقف ہیں تو انہیں چاہیے کہ اس کی حفاظت کی خاطر وطن اور اہل عیال کے دنیوی تعلقات کی پاسداری سے یکجہت مزہ موڑ کر دنیا کے کسی ایسے گوشے میں چلے جائیں جہاں خدا کی آزادانہ عبادت ہو سکے اور اسی کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع مل سکے۔ کیونکہ خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔ اگر اس کا ایک گوشہ آیا ہی فَأَعْبُدُون کی اجازت دینے سے انکار کرتا ہے تو پابہر گل ہو کر کیوں رہ جاوے؟ اسی زمین کے طویل و عریض دامن میں اور کتنے ہی گوشے مل جائیں گے جہاں تم اپنے اصلی نصب العین کے مطابق عمل کر سکتے ہو۔ یہ ہے اسلام یعنی ایسا ہی فَأَعْبُدُون اور وطنیت کے تضادم کے وقت قرآن کا فیصلہ۔

یاد رہے کہ مذکورہ بالا آیات سورہ عقبہ کی آیات ہیں جس کا عنوان ہی ہجرت ہے اور جس کی پہلی ہی آیت میں تعلقات دنیوی کی قربانی شرط ایمان ٹھہرائی گئی ہے۔ أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُؤْتُوا اَنْ يَقُولُوا اَلْاٰمٰنَاتِ وَاھُمْ لَا یَفْقہُوْنَ۔ چونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں اس لیے ہم نے اپنے مضمون کی ابتداء میں اس کے عموم کو باقی رکھ کر ہی اس کی تشریح کی تھی۔ لیکن پوری سورہ کے مضمون کو سامنے رکھ کر، اور خصوصاً اَنْ اَرْضٰی وَاَرْضٰی دَاۤیْمًا مِّنْہٗ فَاٰیٰی فَأَعْبُدُوْنَ کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ حُب وطن کی قربانی ہی اس آیت میں مقصود بالذات ہے اور اس سورہ کی روح پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس دنیائے لہو و لعب کی کسی محبوب سے محبوب چیز کو، اور خصوصاً وطن کی محبت کو کسی حال میں بھی یا استحقاق نہیں پہنچتا کہ اٰیٰی فَأَعْبُدُوْنَ کہہ کر ان کے لیے جو ضابطہ حیات مقرر کیا گیا ہے اس کے ایک گوشے میں بھی تغیر و تبدل کر سکے۔ جو چیز ایسا داعیہ لے کر سامنے آئے، عِبْرَت

کا فرض ہے کہ پوری عزیمت اور استقلال کے ساتھ اسے اپنے استحقاق سے ٹھکرادے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور ایسے موقع پر دنیا کی محبت اُسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے تو قرآن اُسے اسلامی جماعت میں شمار کرنے کے لیے بھی تیار نہیں، خواہ وہ زبان سے لاکھ بار ایمان کا اقرار کرے :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمُوجِرُوا
مَا لَكُمْ مِنْ دَلِيلٍ تَهْتَمُونَ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى
يُحَاجِرُوا (انفال - ۱۰)

جو لوگ ایمان لائے لیکن جنہوں نے خدا کے حکم پر ہجرت نہیں کی ان سے تمہارا کسی طرح کی مورات کا بھی شہتہ نہیں تا وقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں۔

کیونکہ یہ ہجرت نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ مقصود حقیقی کے مقابلہ میں ایک دنیوی رشتہ کو ترجیح دی گئی، اور ایمان کے مدعی ایمان کی آزمائش گاہ میں ناکام رہے۔ پھر ایسے لوگوں کو جنہوں نے خدا کی طلب پر وطن کی محبت کو مقدم رکھا ہو کس طرح اللہ کی جماعت کا رکن کہا جاسکتا ہے؟ یہ کام مومنین کا نہیں بلکہ کفار اور منافقین کا ہے کہ جب ان سے ایمان کی قربان گاہ پر جان و مال اور جان کی قربانی مانگی جائے تو وہ کتنی کاٹ جائیں۔ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَخْرُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ۔ اور آخر میں ایسے لوگوں کا انجام اس دنیا سے رحمت ہوتے اور تمام اسی علاقے سے علیحدہ ہوتے وقت نہایت حسرت ناک ہوگا، جس کی تصویر قرآن ان افکار میں کھینچتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
فِي دِيَارِهِمْ اذْهَبُوا مِنْهَا وَأَخْرَجُوا مِنْهَا
أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ جَمِيعًا
وَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
فِي دِيَارِهِمْ اذْهَبُوا مِنْهَا وَأَخْرَجُوا مِنْهَا
أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ جَمِيعًا
وَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

ان لوگوں سے جن کی جانیں فرشتے اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ کر کہنے لگتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں مجبور اور بے نصیب تھے (جس کی وجہ سے کافروں کے تشدد نے ہمیں علانیہ حق پرستی سے باز

مصیبتاً ربنا - ۱۱۴

رکھا، فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہ

تھی کہ تم اس میں (حق کی خاطر وطن کے تعلق سے بے نیاز ہو کر) ہجرت کر جاتے، پس ایسوں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت بُری جگہ ہے۔

جو بات اہل ایمان سے ہجرت کا حکم دیتے وقت کہی گئی تھی وہی دُنیا پرستوں سے آخرت میں جو ایسز کے وقت کہی جائے گی کہ مانا تم دشمنانِ حق کے مقابل میں کمزور و ناتوان تھے اور وہ تمہیں آسانی بادشاہت کا حلقہ بگوش بننے سے روکتے اور خدا کی خوشنودی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے زبردستی منع کرتے تھے۔ لیکن کیا زمین کی پہنائی صرف تمہارے وطن ہی تک محدود تھی؟ پھر اگر

تم دُنیا پر مغفون نہ تھے اور درغائبِ نفس کی دلفریبیوں نے تمہاری نگہ بصیرت سے شاہدِ حقیقی کا جمالِ مجمل نہ کر دیا تھا تو کیوں نہیں ایسا ہوا کہ دنیا اور دنیا کے تعلقات، وطن اور وطن کی گیرائی، جو شے بھی

خدا کے ساتھ تمہاری عبدیت کے اظہار میں حارج ہوئی تھی اس کو تم ٹھوکر مار دیتے اور زمین کی پھیلی ہوئی وسعتوں میں کوئی دوسرا من تلاش کر لیتے؟ خواہ اصحابِ کعبہ اور اصحابِ موسیٰ کی طرح

زرخیز و سرسبز میدانوں اور ترقی یافتہ و تمدن آبادیوں کو خیر باد کہہ کے تمہیں بے آب و گیاہ و رگزاراب اور پہاڑ کے اندھیرے غاروں میں ہی کوئی مامن کیوں نہ ملتا۔ لیکن جب تم اپنے حقیقی فرض کی

ادائیگی کے لیے دُنیا سے دوں کے ایک رشتہ رُحبتِ وطن کو کاٹنا گوارا نہ کیا اور خدا پرستی پر وطن کی محبت اور اس کے فائدوں کو ترجیح دی تو آج بھی اپنے اسی خود ساختہ معبود (وطن) سے نجات

مانگو، ہم تو ایسے نافرمانوں کو جو اپنے ماوے وطن کو ہماری رفنا سے زیادہ عزیز رکھتے تھے آج ادا ہے جنم ہی میں لے۔ فَأُولَٰئِكَ مَا دَفَعْنَا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ نَحْنُ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
ہی میں لے۔ فَأُولَٰئِكَ مَا دَفَعْنَا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ نَحْنُ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

فَأُولَٰئِكَ مَا دَفَعْنَا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ نَحْنُ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی حقیقت پر ایک بار ذرا اور پھیل کر نظر ڈالیں، کہ بحث کا اصل مقصود اسی کی گہرائیوں میں مفرد ہے۔ یہ آیت کلی ہے۔ زمانہ ہجرت سے ذرا پہلے نازل ہوئی ہے

تمام مکی آیات و سُوَر کو پڑھ جائیے، ہر جگہ اسلام کے اصول و کلیات ہی کے مباحث ملیں گے۔ توحید، معاد، رسالت، نماز، صدقات اور عام اصول اخلاق انسانی کے سوا آپ ان میں اسلامی شریعت اور قانون کے جزئیات کا کوئی ذکر نہ پائیں گے۔ اس سے یہ نتیجہ باسانی نکل سکتا ہے کہ زمانہ قیام مکہ میں کفار قریش نے قرآن کی جو کچھ بھی مخالفت کی تھی، لامحالہ ان کا تعلق انہیں اصولی تعلیمات سے تھا۔ وہ اگر مسلمانوں کو روکتے تھے تو ایک خدا کی پرستش سے، لا اِلهَ اِلاَّ اللہ کے اعلان سے، لائت و منات کی توہین سے، سردارانِ قریش کی تفصیل سے۔ انجام کار جب باطل کی قہار میت اور حق کی مقہور میت اپنی انتہا کو پہنچنے کو آئی، اور معاذین حق نے قرآن کی ان چند سیدھی سادھی سچائیوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہا اور وطنِ مکہ کی سرزمین، جس پر ان بنیادوں پر اُٹھنے والی عمارت کے قیام کا کوئی امکان باقی نہ رہا تو اللہ نے مسلمانوں کو اسی امکان کی تلاش میں اپنی زمین کی وسعت کی طرف متوجہ کیا، اور ہر قربانی اور ہر قیمت پر اپنی ہی عبادت پر ثابِت قدم رہنے کا غیر مہم حکم دیا۔ اسی لیے مخلصین کے گرد وہ نے گھربار کو الوداع کہی۔ اور مادہ پرستوں اور دنیا کے عاشقوں کو دکھا دیا کہ خدا کی مرضی کے سامنے دنیا کا مضبوط سے مضبوط تعلق بھی کتنا حقیر، کتنا کمزور اور کتنا ناقابلِ اعتناء ہے۔

لیکن کیا مدنی آیات کے نزول کے بعد بھی ”فَايَايَٰ خَا عِبْدُؤن“ کی وسعت انہی اصول اور کلیات تک محدود رہی جن کے خلاف مکہ کے ائمہ کفر نے تلواریں کھینچی تھیں؟ اور کیا آج بھی وطن کا تعلق اسلامی مصالح سے اسی وقت متصادم کہا جائے گا جب کہ وہ مسلمانوں کو صرف خدا کی یکتائی کے اعلان سے روکے یا کفار قریش کی طرح رسولِ اُمّی فداہِ اُمّی کی صداقت کے اقرار سے مانع ہو؟ بالفاظِ دیگر کیا عبادت کا مفہوم ایمانیات کے باب اور رُود و صلوات تک ہی محدود ہے، جیسا کہ قبل زمانہ ہجرت تھا؟ ممکن ہے خانقاہ کے رہبان اور سیاست حاضرہ کے مصدق کو اس کا جواب اثبات میں دیں، لیکن جس اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا تک پہنچایا

ہے اس کے کسی اشارہ و کنایہ سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کی نعت میں عبادت کے معنی ہیں خدا کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کے۔ یعنی انسانوں کے لیے جو احکام خدا نے دیے ہیں اور جو ضابطہ حیات اس نے تجویز کر کے نازل فرمایا ہے، ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق عمل کرنا۔ لہذا جس طرح مکی صورتوں کی اصولی تعلیمات عبادت الہی کے دائرہ میں آتی ہیں اسی طرح ہجرت کے بعد نازل ہونے والی جزئی تعلیمات اور فرعی احکام بھی اس دائرہ میں جگہ پانے کے سزاوار ہیں، اور دینی مصالح کا اسلام کے آئین تمدن و معاشرت اور ضابطہ سیاست و معیشت سے تصادم ہونا خدا نے اسلام کی نگاہ میں بعینہ وہی نوعیت رکھتا ہے جو توحید و رسالت جیسی اصولی صدقوں کا تصادم۔ جو لوگ ایسا نہیں سمجھتے وہ گو یا کتاب اللہ کے بعض حصوں پر ہی ایمان لاتے ہیں اور عملاً بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اور ایسے کور بھروسہ کو قرآن جس نام سے موسوم کرتا ہے اس کے تصور پر ہی سے روح کا نپ اٹھتی ہے۔

تصادم کا فلسفہ بھی کسی قدر غور و فکر کا محتاج ہے۔ عبادت کے مفہوم کی طرح اس دینی اصطلاح کو تصادم کا منہم بھی موجود جاہلیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی نذر ہو چکا ہے۔ اور آج خود مسلمانوں کے سوا اور اعظم کا دماغ اس کے صحیح اور اک سے قاصر ہے۔ وہ اب اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جب تک دینی مصالح صاف اور صریح لفظوں میں منارہ مسجد پر اذان دینے یا گوشہ خانقاہ میں لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر چہری کرنے سے نہ روکیں اور جب تک آگ کے انگاروں، پتھر کی سلوں، تموار کی باڑھوں اور سنگین کی نوکوں سے استیصال حق میں کام لیا جائے اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وطن کی محبت اور عصیت و مصلحت اسلام سے متصادم ہو رہی ہے۔ ان نادان مسلمانوں یا نادان منافقوں سے کون کہے کہ اب زمانہ کی رفتار اتنے اتنے شراب و لہسی کی سوزشوں اور سیف بوجہلی کی خون آشامیوں کو لوہے پتھر سے نکال کر کتاب کے حروف

میں منتقل کر دیا ہے۔ ماڈرنیت کی اسلام دشمنی اب تیر و تفنگ سے مسلح ہو کر نہیں آتی کہ مسلمانوں کے ان خاک کی اجسام کو قتل کر ڈالے، بلکہ کاغذ کے سیاہ نقوش کا خوشنما لباس زیب تن کر کے آتی ہے کہ ان کی روجوں کو اندر ہی اندر فوج کر ڈالے اور اگر موقع ہو تو خود روش خیمال "اور فراخ دل" نسل مسلم سے اس کا خون بہا بھی لے۔ پس اگر وطن کے مصالح رفتار زندگی کو ایسے رُخ پر ڈالنا چاہو جہاں تبیح اور مصیٰٹی پر تو ہاتھ نہ ڈالے جائیں مگر تہذیب و وقت کے فریب کار ہاتھ اس اسلامی روح ہی کو کچل کر رکھ دیں جس کی وجہ سے تبیح، تبیح ہے اور مصیٰٹی، مصیٰٹی، تو یقین فرمائیے کہ ایسی جگہ وطن اسلام سے متصادم ہو رہا ہے، اور یہ تصادم اس تصادم سے کہیں زیادہ مہلک اور خوفناک ہے جو تیر و تفنگ سے ہوتا ہے۔

”عبادت اور تصادم“ کی تشریح کو نثری حیثیت سے سمجھ لینے کے بعد اسوہ رسول اور اسلام کی عملی تعلیمات کی روشنی میں بھی غور فرمایا بیجئے، حقیقت حال اور زاوہ نمایاں اور بے نقاب ہو کر سامنے آجائے گی

(باقی)